رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

رجسٹرڈ انگلش نمبر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ...... ؏
ششماہی ...... ؏
سہ ماہی ...... ؏

قیمت فی پرچہ (۲/)

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

جلد (۳) | ۳۰ تیر ۱۳۵۲ف | یکم جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ | ۵ جون ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۸)

ڈاکٹر امبیڈکر کی اسکیم

مفاہمت کی شرط مقدم

سیاسی تعطل کو دور کرنے کی ایک تجویز پیش کر کے ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندوستان کی سیاسی فضا میں جو جمود پیدا ہو گیا تھا اس میں ایک ہل چل پیدا کر دی۔ ایک سے زیادہ وجوہ کی بنا پر یہ تجویز خوش آئند ہے۔ اس سے اور کچھ نہیں تو یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ ان دماغوں میں جو مسلسل ناکامی اور مایوسی کی وجہ سے بے حس ہو گئے ہیں خیالات کی ایک رو پیدا ہو جائے گی۔

ڈاکٹر امبیڈکر یہ چاہتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی موجودہ سیاسیات کو دلدل سے نکالنا ہو تو مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح کو سیاسیات سے علحدہ ہو جانا چاہئے۔ اپنی اسکیم پیش کرنے سے دو روز قبل ڈاکٹر امبیڈکر نے پبلک طور پر یہ مطالبہ کیا تھا کہ یہ دونوں لیڈر جنھوں نے ایک ناعاقبت اندیشانہ روش اختیار کی ہے سیاسیات سے ہٹ جائیں۔ مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر امبیڈکر یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اور خود ڈاکٹر امبیڈکر یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ ہندوستانی سیاسیات ان دونوں لیڈروں کے اثر سے آزاد رہ سکتی ہے۔ اس مطالبہ میں درحقیقت اس امر پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ موجودہ مواقعات پر قابو پانے کے لئے کوئی طریقہ دریافت کیا جائے۔

اسکیم کی اہمیت

ڈاکٹر امبیڈکر کو دو حیثیتوں سے یہ اسکیم پیش کرنے کا استحقاق ہے ——— شخصی اور سرکاری۔ اس واقعہ کے باوجود کہ پست اقوام کے طبقہ سے باہر ان کے پیرو بہت کم ہیں اگر انھوں نے یہ حل پیش کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور وہ اپنی طبیعت کی وجہ سے غیر جانبدار بھی ہیں۔ کیا یہ فرض کرنا درست ہوگا کہ ان کی اسکیم کو سرکاری حیثیت سے بھی اہمیت حاصل ہے کیونکہ وہ وائسرائے کی کونسل کے رکن ہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی اسکیم کا مدعا کیا ہے؟ یہ ایک فارمولا ہے جس میں مسئلہ پاکستان سے بحث کی گئی ہے جو ملک کی سیاسی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اکثر لوگ ایسے ہیں جو یہ باور کرتے ہیں کہ پاکستان ایک غیر حقیقی چیز ہے۔ ایک جرأت ہے جو مسٹر جناح نے ہندوؤں کو ڈرانے کے لئے کھڑا کیا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دینے پر راضی ہو جائیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بنا ہوا مذہب ہے جس میں برطانوی قدامت پرست سہارا لئے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو ان دونوں خیالات سے اختلاف ہے۔ وہ پاکستان کو ایک ناقابل مزاحمت عنصر، ایک فوری اور بنیادی سیاسی تخیل تصور کرتے ہیں جس کا حل ہندوستان کی دستور سازی کے لئے شرط مقدم ہے۔

ان کے نقاد یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کے اہم مسئلہ کو ایک سیاسی اصول (اپنے خود اختیاری) کی حیثیت دینے میں غلطی کی۔ لیکن ڈاکٹر امبیڈکر ہر سیاسی مسئلہ پر حقیقت پسندانہ نظر سے غور کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کے حل کی ذمہ داری ڈاکٹر امبیڈکر خود ہندوستانیوں پر عائد کرتے ہیں اور ہندوستانیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا حل وہ خود تلاش کریں۔ برطانیہ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ حق خود ارادیت کے استعمال کے جو طریقے ہیں ان کو سمجھانے کے بعد وہ ایک قانون منظور کرے۔

نئی خصوصیات

ڈاکٹر امبیڈکر کی اسکیم کا پہلا جزو جس کی ایک منفرد اور ترقی یافتہ صورت ہے کہ جس نے آئرلینڈ کی طرح اس میں بھی بعض رقبوں کو یہ فیصلہ کرنے کی آزادی دی گئی ہے کہ ان کی آئندہ دستوری حیثیت کیا ہو۔ جہاں تک اس حد کا تعلق ہے اس سے مسلم لیگ کو مطمئن ہو جانا چاہئے اور کانگریس کے لئے بھی ناقابل قبول نہ ہونا چاہئے اگرچہ ہندو مہاسبھا نے اقلیتوں کے حق خود ارادیت کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔

مسلم رقبوں کو حق خود ارادیت دیتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے دو نئی چیزیں شامل کی ہیں جو کرپس کی اسکیم میں موجود نہیں ہیں۔ پہلا جزو تجویز کی رو سے متعلق ہے جو مسلمان چند سال کے لئے ہندوستانی یونین میں شریک رہیں یا اس سے علحدہ رہیں اور اس کے بعد اپنے مستقبل کے متعلق قطعی فیصلہ کریں۔ اس چیز سے ان لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے جو مذہبی بنیاد پر تقسیم ہند کے مخالف ہیں اور جو یہ استدلال کرتے ہیں کہ تقسیم مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے لئے مضر ہے۔ اگر یہ تجربہ ناکام ہو تو اس کا علاج بھی اسکیم میں موجود ہے۔

دوسری اقلیتیں

دوسری نئی خصوصیت یہ ہے کہ ان ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کو بھی حق خود ارادیت دیا گیا ہے جو مسلم اکثریتی صوبوں میں بستے ہیں۔ یہ کوئی بالکل نئی چیز نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی اور مسٹر کے ایم منشی نے گذشتہ ایک سال سے پاکستان کے امکان پر اس

(بقیہ صفحہ ...)

حکمت ہفتہ وار

جلد ۲ | ۳۰ تیر ۱۳۵۲ف | نمبر ۹

مرکز گریزی

اس سال آندھرا کانفرنس کا سالانہ جلسہ بلدہ حیدرآباد میں منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر جیسوریا نائیڈو نے انگریزی میں ایک دلچسپ خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ اس خطبہ میں زیادہ تر معاشی مسائل سے بحث کی گئی۔ ہمارے خیال میں اگرچہ اس خطبہ کا لہجہ ذرا تلخ ہے تاہم جن مسائل پر اس میں روشنی ڈالی گئی ہے وہ سنجیدہ غور و فکر کے مستحق ہیں۔ یہ مسائل نہ صرف تلنگانہ سے متعلق ہیں بلکہ ان کو کل ہندی معاشی مسائل کہنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص خطبہ استقبالیہ کو پڑھ کر آندھرا تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کو کامیابی نہ ہوگی کیونکہ اس میں مقامی امور سے زیادہ کتابی بحث کی گئی ہے اور معاشی نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر جیسوریا نے جہاں حکومت پر سخت تنقید کی ہے وہاں لیڈروں کی روش کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ اور صاف گوئی کے ساتھ آپ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

> وہ ذمہ دارانہ حکومت چاہتے ہیں مگر انکم ٹیکس نہیں چاہتے۔ وہ اندرونی پیداوار چاہتے ہیں مگر اغذیہ کی راشننگ نہیں چاہتے بلکہ بیوپاریوں کی ذخیرہ بندی اور نفع اندوزی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ وہ صنعتی ترقی چاہتے ہیں مگر [illegible] ٹیکس نہیں چاہتے۔ وہ [illegible] جنگوں کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور حکومت سے تمغے بھی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اشتراکی لٹریچر بھی چھاپتے ہیں [illegible] کے گیت بھی لیتے ہیں۔ وہ کاشتکاروں کی بہبودی بھی چاہتے ہیں اور قانون سودخواران اور قانون انتقال اراضی کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

جو حقیقت اقتباس بالا میں پیش کی گئی ہے اس سے انکار مشکل ہے۔ جو لوگ محض غلط نظریے سے ہندوستان کے معاشی مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں انہیں ڈاکٹر جیسوریا کے خطبہ استقبالیہ میں کافی مواد ملے گا البتہ جو لوگ آندھرا تحریک اور اس تحریک کے محرکات کو سمجھنا چاہتے ہیں انہیں مسٹر ونکٹ رنگا ریڈی کے خطبہ صدارت اور کانفرنس کی قراردادوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے۔

مشترکہ تہذیب کی نفی

آندھرا، مہاراشٹرا اور کرناٹک کی تحریکوں پر ایک عرصہ سے یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ یہ ادارے علحدگی پسند تحریکات اور مرکز گریز رجحانات پیدا کر رہے ہیں۔ آندھرا کانفرنس کے متعلق ہم نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ یہ تحریک ان افراد تک محدود ہے جو قدیم آندھرا تہذیب کا احیا چاہتے ہیں اور اس میں دوسرے فرقوں کے لئے گنجائش نہیں۔ اگرچہ اس مقصد کو چھپانے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ باشندگان تلنگانہ کی صوبہ داری یا علاقہ داری تحریک ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ ہمارا یہ شبہ ذمہ دار ارباب کانفرنس رفع کر دیں گے مگر پیش نظر خطبۂ صدارت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا یہ شبہ رفع نہیں ہوا۔ کیونکہ مقامی زبانوں پر ضرورت سے زیادہ زور دینا اور مشترکہ زبان کی اہمیت اور ضرورت سے چشم پوشی کرنا مرکز گریزی کی ایک صورت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ خطبۂ صدارت میں اعتراضات کا جواب دینے کی ایک ناکام کوشش کی گئی ہے۔ آندھرا تحریک کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے خطبۂ صدارت میں کہا گیا ہے کہ

> بالآخر یہ قرار پایا کہ آندھرا تحریک ایک علاقہ داری تحریک ہے نہ کہ ایسی تحریک جو صرف ان لوگوں تک ہی مختص ہے جن کی مادری زبان آندھرا ہے۔ اس تحریک کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ آندھرا بھاشا اور آندھرا تمدن کی حفاظت کی جائے بلکہ ساتھ ہی آندھرا کانفرنس کے منظورہ دستور العمل کے بموجب یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ تحریک آندھرا اور آندھرا کانفرنس آندھرا پرانت [illegible] جاری ہے۔ یہ تحریک [illegible] مذہب [illegible] ملت [illegible] کے بسنے والی تمام رعایا سے متعلق ہے [illegible] اس پرانت میں بسنے والی ہر آبادی کی مادری زبان آندھرا ہے اس نے عام طور پر آندھرا بھاشا کو اہمیت لازماً حاصل ہوئی ہے۔

اس اقتباس کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوگا کہ ایک طرف تو اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور دوسری طرف پھیر پھیر کر آندھرا بھاشا کو مرکزی حیثیت دی جا رہی ہے۔ تاریخ اور تمدن کے محققین جانتے ہیں کہ تمدن کی بنیاد زبان ہے۔ اقتباس بالا میں اور نیز سارے خطبۂ صدارت میں مشترکہ زبان کا کہیں ذکر نہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشترکہ تہذیب کو فروغ دینا اس تحریک کے قائدین کا مقصود نظر نہیں ہے۔ چونکہ بضرورت اتحاد، ہم آہنگی، مشترکہ تہذیب اور مشترکہ قومیت کے نعرے ضرور بلند کئے جاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں جو تحریک مشترکہ تہذیب کی نفی کرتی ہو وہ مرکز گریز رجحان پیدا کرتی ہے۔

فرقہ پرستی نئے روپ میں

یہ ایک واقعہ ہے کہ مملکت آصفیہ میں اُردو ایک مشترکہ زبان کی حیثیت سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ممالک محروسہ کا کوئی علاقہ چاہے وہ تلنگانہ ہو یا مرہٹواڑی یا کرناٹک، ایسا نہیں ہے جہاں کے عام باشندے اُردو بولتے اور سمجھتے نہ ہوں۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل تحریر کیا تھا ممالک محروسہ کی اکثریت اُردو بولتی اور جانتی ہے اور ملک کے مختلف علاقوں میں ربط پیدا کرنے والی یہی ایک زبان یعنی اُردو ہے اور اسی مشترکہ زبان کو جو سرکاری زبان بھی ہے ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے۔ ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اُردو کی مشترکہ حیثیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن خطبۂ صدارت میں جس انداز سے اُردو کی مخالفت کی گئی ہے اس کو پڑھ کر ہمیں نہ صرف حیرت بلکہ افسوس بھی ہوا۔ ہم نے مقامی زبانوں کی اہمیت سے چشم پوشی کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ ہم ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ مقامی ضروریات کی تکمیل کے لئے مقامی زبان کو جو اہمیت حاصل ہے اور جو ان کا مقام ہے وہ ان کا حق ہے۔ وہ مقام ملنا چاہئے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ عوام کا نام لے کر اور سوشلزم کو کام میں لا کر اس زبان کو جو حیدرآباد کی سیاسی وحدت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس تحریک کے چلانے والے نہ صرف تنگ نظر بلکہ انتہائی فرقہ پرست ہیں اور اپنی فرقہ پرستی کو پرفریب الفاظ میں چھپا رہے ہیں۔ چند روز قبل تک کہا جا رہا تھا کہ ابتدائی تعلیم مقامی زبانوں میں دی جائے اور اعلیٰ تعلیم اُردو میں۔ مجلس رعیت نے بھی یہی رائے متعدد بار ظاہر کی تھی لیکن اب جبکہ ابتدائی منزل میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جا چکا ہے یہ مطالبہ

شروع ہو چکا ہے کہ اعلیٰ تعلیم بھی مقامی زبانوں میں دی جائے۔ ہم ایک سے زیادہ مرتبہ یہ اندیشہ ظاہر کر چکے ہیں کہ ابتدائی منزل میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے متعلق بھی یہی مطالبہ شروع ہوگا اور آج ہمارا یہ اندیشہ صحیح نکلا چنانچہ خطبہ صدارت میں کہا گیا ہے کہ :-

"حیدرآباد میں علاقوں میں منقسم ہے تلنگانہ، مرہٹواڑی اور کرناٹک اور یہاں کے باشندے صوبہ واری زبان جانتے ہیں خواہ اُن کی مادری زبان کچھ ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ صوبہ واری زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے"

اس مطالبہ میں جو محرکات کار فرما ہیں اُن کو اہل نظر خوب سمجھتے ہیں۔ علاقہ واری تحریک کا منشا ہے کہ مشترکہ تہذیب اور مشترکہ زبان کو مٹانے کی کوشش مستحسن نہیں قرار پا سکتی۔

ثقافتی وحدت

ہم اس سے قبل یہ واضح کر چکے ہیں کہ رفتار زمانہ نے حیدرآباد کو ایک سیاسی وحدت کے ساتھ ساتھ ایک ثقافتی وحدت بھی بنا دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبوں کے باہمی امتزاج سے ایک مشترکہ قومیت نشو و نما پانے لگی جو برطانوی ہند کے لئے ایک نمونہ سمجھی جاتی تھی۔ دکن کے سپوت خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اس مشترکہ ورثہ کی حفاظت اور ترقی کو اپنا عزیز ترین نصب العین سمجھتے رہے۔ لیکن گذشتہ بیس پچیس سال سے جبکہ برطانوی ہند سے فرقہ وارانہ تحریکات حیدرآباد میں درآمد ہونے لگیں ہر اُس چیز کو مٹانے کی کوشش شروع ہوئی جس پر ہماری ثقافتی وحدت قائم تھی۔ ان تحریکات نے انہوں نے ایک طرف تو مشترکہ قومیت کو راگ الاپنا شروع کیا اور دوسری طرف مشترکہ قومیت کے اجزائے لاینفک یعنی مشترکہ تہذیب اور مشترکہ زبان کو مٹانے کا تہیہ کر لیا۔ ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ آندھرا کانفرنس کے کارکن ہندوستان کو ناقابل تقسیم اور ایک ثقافتی وحدت قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حیدرآباد میں جہاں ثقافتی وحدت موجود ہے علاقۂ تلنگانہ کو تہذیبی اساس پر ایک علحدہ عنصر یا منطقہ تصور کرتے ہیں۔ ہم نے آندھرا کانفرنس کے کارکنوں کے دو طویل مقالے پڑھے ہیں جن میں مسلم لیگ کے مطالبہ کی مخالفت کرتے ہوئے ہندوستان کو ایک تہذیبی وحدت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تہذیبی وحدت کے اس نظریہ کو جو ہندوستان کے متعلق پیش کیا جاتا ہے حیدرآباد پر کیوں منطبق نہیں کیا جاتا۔ اور اس مشترکہ زبان کی کیوں مخالفت کی جاتی ہے جو تہذیبی وحدت کی مظہر ہے۔

ہم آہنگی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے

ہماری رائے میں اُن مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے جو مملکت محروسہ کے مختلف علاقوں میں بستے ہیں ایک مشترکہ تہذیب اور ایک مشترکہ زبان ناگزیر ہے۔ ہمارا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ کسی ایک فرقہ کی تہذیب دوسرے فرقوں پر مسلط کر دی جائے۔ ہم مملکت آصفیہ کے بہترین مفاد کی خاطر ہم آہنگی چاہتے ہیں اور جو تحریک ہم آہنگی کے خلاف جاری کی جائے ہم اُس کو مرکز گریز اور انتشار انگیز تصور کرنے میں اور اس کو فرقہ پرستی کی ایک نقاب پوش صورت سمجھتے ہیں۔ ہماری یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ ایسی انتشار انگیز تحریکات حیدرآباد کی سیاسی وحدت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو سکتی ہیں۔ ہماری نظر سے ایسے مضامین بھی گزرے ہیں جن میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ تلنگانہ، مرہٹواڑی اور کرناٹک کے لئے علحدہ مرشتہ کستری میں جماعات قائم کئے جائیں اور ان علاقوں کا نظم و نسق وہاں کی مقامی زبانوں میں چلایا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ تجویز انہی تحریکات کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ظاہر ہے کہ ہماری تہذیبی، لسانی اور سیاسی وحدت میں کس طرح انتشار پیدا ہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ عہدے حاصل کرنے اور دوسرے فرقوں کے افراد کو نظم و نسق سے نکال باہر کرنے کا یہ ایک سوچا ہوا طریقہ ہے جس کو بتدریج بروئے عمل لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جب تک آندھرا کانفرنس کے کارکن حیدرآباد کو بحیثیت مجموعی ایک وحدت سمجھ کر مختلف فرقوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم قائم کرنے کے لئے قدم نہیں اٹھائیں گے ان شکوک اور شبہات کا رفع ہونا مشکل ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے

مسٹر جناح کی افسوسناک جلدبازی

گاندھی جی کے اقدام مفاہمت سے متعلق مسٹر علی جناح نے جس نقطہ نظر کا اظہار فرمایا ہے اُس سے ہم متفق نہیں ہو سکتے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ گاندھی جی کا خط محض ملاقات کی ایک خواہش کا اظہار ہے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ گاندھی جی کے خط میں ایسی کوئی بات صراحت کے ساتھ درج نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ گاندھی جی نے مسٹر جناح کے پیش کردہ اساس مفاہمت کو قبول کر لیا ہے۔ ان دونوں امور کو تسلیم کرنے کے بعد بھی ہمیں مسٹر جناح کے جواب سے سخت مایوسی ہوئی۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ گاندھی جی نے مسٹر جناح کی صدارتی تقریر کو پڑھ کر اور اُس کے مضمرات کو سمجھ کر مسٹر جناح کو خط لکھا ہوگا۔ اگر گاندھی جی اپنے دور آخر کے موقف سے آگے نہ بڑھے ہوتے تو ان کی خواہش ملاقات ایک بے معنی سی بات ہوتی۔ گاندھی جی سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ ایک غیر ذمہ دار شخص ہیں اور محض سنسنی پیدا کرنے کی خاطر کوئی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔ اگر اس موقع پر مسٹر جناح یہ فرض کرتے کہ گاندھی جی نے اپنے نقطہ نظر کو بجھ کر دست مفاہمت دراز کیا ہے اور اس مفروضہ کی بنا پر وہ حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتے کہ گاندھی جی سے ان کی ملاقات کا انتظام کیا جائے تو اس کے نتیجے کے طور پر اگر مفاہمت نہ بھی ہوتی تو مسلم لیگ یا عامۃ المسلمین یا خود مسٹر جناح کے مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ گاندھی جی کے متعلق ہندوستان اور بیرون ہند میں یہ کہا جاتا کہ انہوں نے بلاوجہ حکومت کو اور رائے عامہ کو پریشان کیا۔ سیاسی معاملات میں مراسلت طلبی یقیناً ایک محفوظ طریقہ کار ہے لیکن اس اصول کو چلدار نہ سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے۔ ہم گاندھی جی سے یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ انہوں نے مسٹر جناح کے اساسی مطالبات کی اہمیت کو بھی طرح سمجھ کر دست مفاہمت دراز کیا۔ اگر مسٹر جناح اس مفروضہ پر اپنے نقطہ نظر کو مبنی رکھتے تو ہر صورت میں مسلمانوں کا فائدہ تھا۔ یعنی اگر گفتگوئے مفاہمت کامیاب ہو جاتی تو مسلمانوں کا مطالبہ کم از کم ہندوؤں کے نزدیک مسلمہ شدہ قرار پاتا اور ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ کوشش حکومت برطانیہ کو اس مطالبہ کی تکمیل پر مجبور کر دیتی اور اگر گفتگوئے مفاہمت ناکام رہتی تو دنیا کی نظر میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ مفاہمت پسند اور خواہان آزادی قرار پاتے اور مخالفین مسلم لیگ کو یہ کہنے کا موقع نہ رہتا کہ مسٹر جناح نہ تو آزادی چاہتے ہیں اور نہ مفاہمت اور اس طرح غیر ارادی طور پر برطانوی شہنشاہیت کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کا الزام مسٹر جناح پر ایک بہتان عظیم سے کم نہیں لیکن سیاست میں مخالفین کی زبان بندی بھی تو کوئی چیز ہے۔ مسٹر جناح مشکل سے اپنی رائے بدلتے ہیں۔ اس لئے جو ہو گیا اُس کو اَن ہوا کرنا دشوار ہے۔ اگر مسٹر جناح ایک بار گاندھی جی سے مل لیتے تو مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوتا اور مسلم لیگ کا وقار دنیا کی نظر میں بڑھ جاتا۔

کس مپرسی

مولوی مرزا افتخار و احمد خان صاحب نے اپنے ایک اخباری بیان میں جو گزشتہ ہفتہ شائع ہوا ہے جن حیرت انگیز اور افسوسناک حقائق کا انکشاف کیا ہے اُن کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات کس قدر مایوس کن ہیں۔ مرزا صاحب کا بیان ہے کہ بیگم آزاد کی ...... ہوچکی ہے ...... مرزا صاحب ایک عرصے سے احتجاج کرتے رہے ہیں مگر احتجاج پر کوئی توجہ نہیں کی گئی ...... کے مقابلہ میں ...... کم ہے۔ ان حالات سے مایوس ہو کر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شکایت حق بجانب ہے کہ ہماری ضروریات پر توجہ نہیں کی جا رہی ہے ...... کے بار کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جو ...... کی اور ہماری مجبوریوں سے پیدا ہو گئی اور ...... ملک کے ...... کے ہاتھوں سے دامن ...... ہاتھوں میں ...... ہم ...... پر ...... ملک کے ...... کے ...... ملک کی ضروریات کو پورا کرنے کا ...... نظر آتا ہے ...... صاحب ...... کیا ہے ...... مایوس کن ہے اور ......

مہاراجہ سرکشن پرشاد آنجہانی

(نشری تقریر جناب سید علم بردار صاحب)

مہاراجہ آنجہانی کی یاد میں گذشتہ تین سال سے ہر سال حیدرآباد ریڈیو پر "مہاراجہ ڈے" منایا جاتا ہے تاکہ ایک طرف ملک کے ایک سچے خادم کی جشن بہادرانہ خدمات کا اعتراف کیا جائے اور دوسری طرف ملک کے نونہال ایک ایسی بڑی شخصیت کے کارناموں اور صفات کو ہر سال منا کریں جو شرافت، سخاوت، مروت و اخلاص میں بے نظیر آپ تھا۔

مہاراجہ آنجہانی کے محاسن سے متعلق اور قریبی تعلق کے حادثے جو ان کے ساتھ مجھے چودہ سال تک رہا میں صرف چند واقعات عرض کروں گا۔

۱۔ حیدرآباد سے باہر تشریف لے جانے اور دیکھنے کہ مہاراجہ آنجہانی کا نام بڑی ان کے مرنے کے بعد بھی زندہ ہے۔ مہاراجہ جب کلکتہ بمبئی یا بنگلور وغیرہ تشریف لے جاتے اور وہاں خرید و فروخت کے لئے جاتے تو ہر دوکان پر جو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو ہمیشہ ایک گنی مرحمت کی جاتی۔ بعض لوگوں کے سمجھ میں نہ آتا کہ یہ گنی انہیں کیوں دی گئی اور دینے والا کون ہے لیکن جب اُن کو ساتھ والوں میں سے کوئی آہستہ سے بتاتا تو اُن کی مسرت کا اندازہ مشکل سے کیا جا سکتا تھا۔

میرے دوست سکندر علی صاحب وجد نے اپنی ایک نظم میں مہاراجہ کی فیاضی کو سراہتے ہوئے خوب کہا ہے۔

در بنائے نہ گئے تیرے خزانہ کے لئے
ہاتھ ہیں وقف زر و مال لٹانے کے لئے
درد ہے دل میں ترے سارے زمانے کے لئے
کی سخاوت نہ کبھی تو نے دکھانے کے لئے
یہ ترا حسن عمل دل کو بہت بھاتا ہے
کہ سوالی پہ کرم آپ ہی شرماتا ہے

۲۔ کرسمس کے تحائف کی فہرست میں علاوہ عیسائیوں کے بعض دیگر قوم کے اصحاب کے چند نام درج تھے جن کا اس تقریب سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ چنانچہ میں نے ایک مرتبہ یہ عرض کرنے کی جسارت کی کہ ایسے ناموں کا فہرست سے خارج ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس دل والے مہاراجہ نے فرمایا کہ میں تو صوفی مشرب ہوں اور میرے نزدیک ہر مذہب یکساں ہے اور مسرت ہے کہ یہ لوگ اسے متوقع ہوں کہ اس فہرست میں اور ناموں کا اضافہ کریں نہ کہ تخفیف۔

۳۔ مہاراجہ آنجہانی کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ حیدرآباد کے امراء و جاگیرداروں کے صاحبزادوں کا موٹر تک استقبال فرماتے تھے اور اسی طرح اُن کی رخصتی کے وقت عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ ازراہ تجسس دریافت کیا کہ اگر امراء خود تشریف لائیں تو سرکار کا استقبال کے لئے جانا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اُن کے صاحبزادگان کے استقبال کے لئے آپ کا تشریف لے جانا سمجھ میں نہیں آتا جس پر ارشاد فرمایا کہ اگر میں امراء و جاگیرداران کی اولاد کی عزت نہ کروں تو میری اولاد کی میرے بعد کون عزت کرے گا۔

۴۔ ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا کہ ایک دن ایک صاحب جن سے مہاراجہ خصوصی بھی رکھتے تھے اور بے تکلیف تھے نے عرض کیا کہ یہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص امیر ہے اور بڑا ہے تو اس کی اولاد کو جو غریب اور دوسرے لوگ ہیں سے بہت سے کیوں تعظیم دی جاتی ہے اور کیوں اُن کی غیر معمولی عزت کی جاتی ہے جس کے جواب میں مہاراجہ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں خود چھوٹا تھا اور اپنے نانا کی پیشی میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تھا تو جو ملاقاتی وہاں رہتے تھے اور میری تعظیم کیا کرتے تھے تو اس کو دیکھ کر میرے نانا کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہو جاتے تھے۔ یہ جس سادگی سے ارشاد فرمایا گیا وہ تعریف و توصیف سے بالا ہے۔

۵۔ میں نے ایک مرتبہ یہ بھی عرض کیا کہ حیدرآباد اور ہندوستان میں ایک سے ایک بڑھ کر عزت اور دولت والے امیر ہیں لیکن آپ کی ہر جگہ پر کیوں غیر معمولی عزت اور آؤ بھگت کی جاتی ہے اور لوگ آپ کے ساتھ کیوں اس درجہ خلوص رکھتے ہیں جس کو سن کر ارشاد فرمایا کہ میں اس کو مالک حقیقی کا احسان و کرم خیال کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میرا شروع سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہر انسان کی حیثیت برابر کی ہے اور میں ہر ایک سے ملاقات کے وقت اس کا خاص طور پر لحاظ رکھتا ہوں کہ میرے اخلاق کے متعلق کسی کو بھی کوئی شکایت کا موقع نہ مل سکے۔

۶۔ مشاعروں کی قدیم شان و شوکت مہاراجہ کے یہاں نظر آتی تھی جبکہ مشاعرہ کے وقت خاص باغ میں بجائے میز و کرسی کے چاندنیوں کا فرش کیا جاکر قیمتی اور گاؤ تکیے ترتیب سے لگائے جاتے تھے۔ ہر طرف حقے پان وغیرہ موجود رہتے تھے۔ شعراء اپنی اپنی جگہ حسب مراتب بٹھائے جاتے اور اُن کا نمبر آنے پر شمع دان کے نزدیک جاکر اپنا کلام سنا کر مہاراجہ سے داد تحسین حاصل کرتے۔ مہاراجہ ہر شاعر سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے حاضرین و شعراء کی پان وغیرہ سے تواضع ہوا کرتی اور اس طرح دس بجے شب سے صبح کے چار بج جاتے مگر مہاراجہ آنجہانی برابر موجود رہتے اور اُن کی پیشانی پر شکن تک نہ آتی تھی۔

۷۔ ایک سال اولمپک کے قیام کے زمانہ میں ایک انگریز اور اس کی خاتون نے مہاراجہ بہادر اور اُن کے ڈی سی کو برج اور بیرہ کھیلنے کے لئے مدعو کیا۔ کھانے کے بعد جب کھیل شروع ہوا تو مہاراجہ اور اے ڈی سی ایک طرف ہوئے اور دوسری طرف خاتون اور اُن کے شوہر اے ڈی سی کے پاس ایسے پتے آتے کہ بہلا ربر بہت جلد ختم ہو گیا اور دوسری مرتبہ بھی جب یہی حال شروع ہوا تو مہاراجہ آنجہانی نے حقہ کا ایک کش لیتے ہوئے اے ڈی سی سے فارسی زبان میں فرمایا کہ ہارنا شروع کیا جائے جس کی تعمیل ہوتی اور کھیل ختم ہونے پر بجائے اس کے کہ جیت ہوتی الٹی ہار ہوئی۔ اے ڈی سی کو واپسی کی تمیل میں انہوں نے واپسی پر جب مہاراجہ سے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ آپ کو یہ کم سمجھا دینا چاہئے تھا کہ وہ میری اور آپ کی میزبان تھیں لیکن اگر اس دفعہ آپ اُن سے چند روپے جیت لیتے تو آئندہ اُن کو ہمیں مدعو کرنے میں وہ شعف نہ آتا جو اب ہارنے کے بعد مدعو کرنے میں آئے گا۔

۸۔ مروت کی بھی ایک مثال سن لیجئے۔ سیر کے قیام کے زمانہ میں ایک شخص بوسیدہ کپڑوں میں آتا ہے اور مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ لیکن میرے استفسار پر وہ اپنی ملاقات کی حاجت کو بیان کرنے سے انکار کرتا ہے۔ میرے لئے یہ نہایت دشوار ہو جاتا ہے کہ بمبئی جیسے بڑے شہر میں ایک اجنبی شخص کو بغیر کسی واقفیت اور بغیر اپنی ذمہ داری کا احساس کئے ہوئے مہاراجہ کی پیشی میں حاضر کر دوں۔ یہ شخص گیٹ کے باہر بیٹھ جاتا ہے اور مہاراجہ کی موٹر سڑک پر آتے ہی شور و فریاد کرتا ہے کہ اس کو ملاقات کا موقع نہیں دیا گیا چنانچہ سڑک پر موٹر روک دی جاتی ہے اور مجھے یاد فرمایا جاتا ہے اور دریافت ہوتا ہے کہ ان صاحب کی آمد کی اطلاع کیوں نہیں دی گئی جس کے جواب میں مختصراً کیفیت عرض کر دی جاتی ہے۔ لیکن ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو اس قدر امیدوں کے ساتھ آیا ہے مایوس نہ کرنا چاہئے تھا۔ کم از کم مجھے اس کے آمد کی اطلاع تو ہونا چاہئے تھی۔

۹۔ ایک اور دلچسپ واقعہ بھی سننے کے قابل ہے۔ مہاراجہ آنجہانی کے صاحبزادے اور صاحبزادیوں کی شادی کی تقاریب میں باوجود یکہ ہزارہا اشخاص مدعو کئے جاتے تھے۔ پھر بھی بعض معزز حضرات حاضر ہو کر عرض کرتے کہ ان کے خاندان کا بیرحرہ رہا ہے کہ ایسے موقعوں پر اُن کو یاد فرمایا جاتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ ان کو فراموش کر دیا گیا۔ ایسی کیفیت سننے کے بعد فوراً حکم دیا جاتا اور یہ ارشاد ہوتا کہ جب آپ جیسے صاحب کرم سے میرے ایسے قدیم خاندانی روابط ہیں۔ مدعو نہیں کیا جانا تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے گھر رقعہ جات تقسیم کئے گئے اور حکم دیا جاتا کہ کم از کم پانچ رقعہ جات جو لانے جا کر پیشی میں رکھوا دئے جائیں تاکہ جو ایسے معزز حضرات کو مدعو نہیں کیا گیا ہے میں وقت ملاقات خود رقعہ دیا کروں اور ایسے اصحاب سے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(ختم)

انجمن انسداد قلت و گرانی اجناس کا جلسہ عام

فوری اقدام کا مطالبہ

انجمن انسداد قلت و گرانی اجناس کے اراکین کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۴ ر تیر ۱۳۵۲ف روز یکشنبہ بوقت ۷ بجے ساعت شام بمکان مولوی میر اکبر علی خان صاحب بیرسٹر واقع سیف آباد زیر صدارت راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی صدر انجمن انسداد قلت و گرانی اجناس منعقد ہوا جس میں انجمن کے سابقہ جلسہ کی روئداد کی توثیق کے بعد انجمن کی پیش کردہ یادداشت متعلقہ ذخیرہ اندوزی اور غلہ کے تقسیم و حصول کے مسائل پر غور و خوض کیا گیا۔ جلسہ میں اکثر طبقات اور انجمنوں کے نمائندے شریک تھے۔ جلسہ نے بالاتفاق حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

"مجلس نے مرزا مقصود احمد خان صاحب کے تازہ بیان پر غور کیا جو مقامی پریس میں شائع ہوا ہے۔ مجلس کی قطعی رائے ہے کہ مرزا صاحب کے پیش کردہ اعداد اگر صحیح ہوں تو نہایت تشویشناک صورت حال کا پتہ دیتے ہیں اور مجلس محسوس کرتی ہے کہ اس کو حکومت سرکار عالی سے یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ اگر ان اعداد کی صحت سے انکار نہیں کر سکتی تو اس کو ایک دن کی تاخیر کے بغیر اس صورت حال کی توضیح کرنا چاہئے اور ملک کی عام رائے کو فوراً مطلع کرنا چاہئے کہ وہ اس صورت حال کی اصلاح کے لئے کیا فوری تدابیر اختیار کرنے کی مجلس رائے عامہ کی پوری قوت کے ساتھ یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ برآمد کا سلسلہ فوراً بند کیا جائے مجلس حکومت سرکار عالی سے یہ استدعا کرتی ہے کہ وہ مجلس کی اس قرارداد کو ایک خطرہ کی اطلاع تصور کرے جس کو بلا تاخیر کے بغیر کوئی تسکین بخش جواب عنایت فرمائے۔"

نواب صدر اعظم بہادر کا جواب

"مجلس محترم نائب صدر کے اس مراسلہ پر اور نیز اس کے جواب پر غور کی جو صدر اعظم بہادر کی طرف سے وصول ہوا ہے۔ تمام ان مطالبات کی پوری تائید کرتے ہوئے جو نائب صدر نے اپنے مراسلہ میں پیش کی ہیں مجلس اپنے احساس کا اظہار کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر کا جواب ان امور پر صراحت حاوی نہیں ہے جو موجودہ حالات میں اشد ضروری ہیں۔ مگر مجلس کو صدر اعظم بہادر کے جواب سے یہ معلوم کرکے قدرے اطمینان حاصل ہوا کہ حکومت بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ ملک کے غذائی حالات نے ایک بحرانی صورت اختیار کر لی ہے لیکن مجلس کی رائے میں یہ امر اس لئے ناکافی ہے کہ پیش نظر خطرات کو رفع کرنے کے لئے کسی فوری کارروائی کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ موجودہ خطرہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ حکومت سرکار عالی ان مسائل پر غور و فکر کرنے میں زیادہ وقت صرف کرے۔ لہذا مجلس یہ استدعا کرتی ہے کہ حکومت سرکار عالی اب کسی فوری اقدام کا ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر فیصلہ کرے۔"

"یہ امر بالکل غیر ظاہر ہے کہ غلہ کی مقدار کا تعین کس اصول پر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ متعدد اشخاص ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن میں غیر مساوات صورت حال کا اظہار ہوا ہے۔ مجلس یہ بھی معلوم کرنا چاہتی ہے کہ تقسیم کا تفصیلی طریقہ کار کیا ہے۔ تاکہ اس خصوص میں کوئی مفید مشورہ دیا جا سکے۔ مجلس محسوس کرتی ہے کہ علاوہ کوپن کے غرباء کے لئے ایک آنہ کی تقسیم کا طریقہ جاری رکھنا چاہئے۔ مجلس کا یہ بھی قوی احساس ہے کہ غذائی کونسل کا قیام جلد سے جلد عمل میں لایا جانا چاہئے تاکہ اس قسم کے امور پر کافی نگرانی ہو سکے۔"

علاوہ مذکورہ بالا قرارداد کے ایک تحریک یہ بھی پیش کی گئی کہ کمیٹی کی تجاویز کے سلسلہ میں عام خیالات کو فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے وارڈ واری تنظیم کی جانی چاہئے۔ طے پایا کہ تمام اراکین جلسہ سے اپیل کی جائے کہ ہر وارڈ میں کمیٹی قائم کریں اور اس کمیٹی کے تحت محلہ واری تنظیم ہو۔ یہ کمیٹی اندرون ایک ہفتہ جلسہ عام طلب کرے اور جلسہ عام منعقدہ ریڈی ہاسٹل ودیکا جی پرول کی روئدادوں کی توثیق کرے۔ اس سلسلہ میں چار حضرات کی ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی ہے۔ موسوی صاحب، بدراج صاحب، غلام محمد خان صاحب اور گھوبریلی صاحب پر مشتمل ہے۔ اس کمیٹی کو مجاز گردانا گیا ہے کہ اراکین جلسہ سے محلہ واری جلسہ عام کے انعقاد کی کوشش کرے۔

مسٹر جناح کے بیان پر اشتراکی لیڈر کا تبصرہ

بمبئی ۸ر جون۔ مسٹر پی۔ سی جوشی ہندوستانی اشتراکی جماعت کے معتمد عمومی اپنے ایک صحافتی بیان میں کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ پھر ایک بڑا موقع کھو دیا گیا۔ گاندھی جی نے مسٹر جناح کو خط لکھ کر ایک قدم آگے بڑھایا لیکن انھوں نے یہ سرا باقی رکھی کہ اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ وہ کانگریس اور لیگ کے اتحاد کے حق خود ارادیت پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک رسمی خط میں اس طرح کی فروگذاشت کو مسٹر جناح نے ایک دام تزویر سمجھا۔ قومی اتحاد کے راستہ میں صرف آپس کی بے اعتمادی نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ کیا ہمیں یہ سمجھنے سے پہلے کہ کانگریس اور لیگ کا اتحاد موجودہ تعطل کا ایک حل ہے اور زیادہ مصیبتوں اور آزمائشوں سے گذرنا ہوگا۔ اشتراکی جماعت ایک طرف کانگریسی محبان وطن کو یہ سمجھانے کے لئے اپنی انتھک کوشش جاری رکھے گی کہ گاندھی جی کی رہائی اور قومی حکومت کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ حق خود ارادیت کو تسلیم کریں تو دوسری طرف اشتراکی جماعت لیگ کو اس بات کا یقین دلانے کی سعی کرے گی کہ وہ حق خود ارادیت حاصل کرنے کے لئے کانگریسی قائدین کی رہائی کے لئے سرگرم عمل ہو۔ ہم لیگ سے بطور خاص اپیل کرتے ہیں کہ اس کی طرف سے شبہ اور بے اعتمادی کا اظہار نہ صرف ملک کے لئے ایک مصیبت بن گیا ہے بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے حلقوں میں مایوسی و بے چارگی کا احساس پیدا ہو گیا ہے اور یہ کہ صرف باہمی اعتماد ہی سب کے لئے راہ نجات اور ہر ہندوستانی محب وطن کا یہ سب سے بڑا فریضہ ہے۔"

آریہ سماج اور گاندھی جی

حیدرآباد اسٹیٹ آریہ کانفرنس کی دوسری نشست کی صدارت کرتے ہوئے پنڈت گنپت شاستری نے آریہ فرقہ کے بڑے رہنماؤں شردھانند، مہاشے کرشنا، مہاتما دیوا اور دیانند سرسوتی کی کارگزاریوں کا حال بیان کیا اور کہا گاندھی جی جو اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں موجودہ زمانے کے زندہ اوتار ہیں (ملاحظہ ہو دکن کرانیکل مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۴ء)

لیکن خود گاندھی جی کی رائے تحریک آریہ سماج اور اس کی مقدس کتاب ستیارتھ پرکاش کے متعلق کسی قدر مختلف ہے۔ چنانچہ گاندھی جی فرماتے ہیں۔

"میں نے آریہ سماجیوں کی بائبل ستیارتھ پرکاش کا مطالعہ کیا ہے۔ میں جس زمانے میں یروڈا جیل میں مقیم تھا احباب نے مجھے اس کی تین جلدیں بھیجی تھیں۔ میں نے کسی اتنے بڑے ریفارمر کی اس سے زیادہ مایوس کرنے والی کتاب نہیں پڑھی۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ سچائی اور صرف سچائی کے لئے اٹھے ہیں مگر انھوں نے نادانستہ طور پر جینیت، اسلام، عیسائیت اور خود ہندو مذہب کو بھی غلط طریقے سے پیش کیا ہے۔ جو شخص ان مذہبوں سے سرسری واقفیت رکھتا ہو وہ بھی ان غلطیوں کو آسانی معلوم کر سکتا ہے جن میں سوامی جی جیسا مصلح مبتلا ہو گیا ہے۔ انھوں نے دنیا کے ایک سب سے بڑے روادار اور وسیع مذہب کو تنگ نظر اور محدود ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہ بت شکن ہونے کے باوجود نہایت چالاکی سے بت پرستی کا رتبہ بڑھانے کی سعی کرتے ہیں کیونکہ وہ ویدوں کے علم و لفظ کی پرستش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے میں کوشاں ہیں کہ ہر وہ چیز جو سائنس کو معلوم ہے ویدوں میں موجود ہے۔

میری ناچیز رائے میں آریہ سماجی مذہب ستیارتھ پرکاش کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے بانی کے اعلیٰ کیرکٹر کی بدولت سرسبز ہوا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی آریہ سماجیوں کو پائیں گے ان میں زندگی اور توانائی نظر آئے گی لیکن دائرہ نظر تنگ اور جھگڑالو عادت رکھنے کی وجہ سے وہ یا تو دوسرے فرقوں اور مذہب والوں سے لڑتے رہتے ہیں یا اس میں ناکام ہوتے ہیں تو اپنے آپس میں دست و گریبان رہتے ہیں۔ شردھانند جی کو اس جذبہ سے خاصہ حصہ ملا ہے۔ لیکن ان تمام خامیوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کے لئے دعا کی جائے تو ان پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔

آریہ سماج اور سوامی جی کے متعلق میری یہ رائے ممکن ہے ان لوگوں کو برہم کرے۔ تاہم یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ میرا مقصود کسی قسم کا بہتان لگانا نہیں ہے۔"

ینگ انڈیا بابت ۱۹۲۴ء مضمون از مہاتما گاندھی
مع دیباچہ از راجندر پرشاد
شائع کردہ گنیش۔ مدراس
صفحات ۳۸ – ۳۹

(حق گو)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

مسٹر بی راجندر راؤ فرزند پنڈت ایم ہنمنت راؤ نے ریجنٹ میں یہ اشتہار شائع کرایا ہے کہ ان کا ایک کپ ٹاسل (ایڈس) آندھرا کانفرنس کے اجلاس میں گم ہوگیا ہے اگر کسی صاحب کو ملے تو پنڈت ہنمنت راؤ کے مکان پر پہونچا دیں۔

اگر اتفاق سے یہ یہاں کہیں مل جائے تو ہم بھی واپس نہ کریں گے کیونکہ اس میں پنڈت ہنمنت راؤ کے کتنے سیاسی نسخے اور چٹکلے درج ہیں۔

گاندھی جی کے خط پر تبصرہ کرتے ہوئے ترجمان ملت تحریر کرتا ہے کہ :۔

قائد اعظم کی خواہش کے مطابق انھوں نے (گاندھی جی) ایک شخصی خط لکھا جس میں ملاقات کی صرف خواہش کی گئی ہے جس کو حکومت ہند نے روک لیا۔ حکومت کی یہ کارروائی حق بجانب ہے۔"

اور قائد ملت ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں کہہ سکتا ہوں کہ حکومت اور ہندو مسلم اقوام سب کے لئے گاندھی جی کی قائد اعظم سے ملاقات بہتر نتائج پیدا کرے گی اگر حکومت ہند اجازت دیدے تو ملک کے لئے بہت اچھا ہوگا۔"

قائد ملت اور ترجمان ملت کے ان بیانات میں اگر کسی مسلمان کو اختلاف نظر آئے تو اس کو ملت اسلامیہ سے خارج تصور کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں مرزا صاحب (مقصود احمد خاں صاحب) نے صاف طور پر اس حقیقت کے چہرہ سے نقاب نہیں اٹھایا کیا مال کی برآمد اب بھی جاری ہے اور حال ہی میں ایک بڑی مقدار باہر بھیجی گئی ہے جسے واقعہ یہ ہے کہ درآمد و برآمد کا کوئی توازن ہی باقی نہیں رہا۔ اگر آج کوئی نمائندہ دستوری مجلس ملک میں موجود ہوتی تو اس کی چھت کے نیچے ہمارے نمائندے ارباب مقتدرہ سے اس سوال کا جواب حاصل کر سکتے تھے کہ موجودہ صورت حال کا ذمہ دار کون ہے۔ (پیام)

اگر ارباب مقتدرہ کسی سوال کا جواب نہیں دے رہے ہیں تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ دیوان حافظ سے کر فال دیکھیں شاید لسان الغیب کچھ رہنمائی فرمائیں۔

کیا یہ درست ہے کہ حیدرآباد کے باشندوں یا حیدرآباد کے سرمایہ پر حکومت ہند اپنا ٹیکس عائد کرے (ملک)

حکومت ہند ٹیکس عائد کر سکتی ہے کہ حکومت حیدرآباد عائد نہیں کر سکتی۔

گو اس اعتراف میں خود ہمیں اپنی لاعلمی اور نارسائی کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مسائل حیدرآباد سے ہمارے عامہ کے قائدین اور مدیران جرائد ایسے ہی کورے ہیں جیسا کہ ایک شخص نوا پیدا اپنے ماحول سے بے خبر ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ جاگتا ہے تو اس کو مصروف رکھنے یا بہلانے کے لئے چند رنگین کھلونے سامنے ڈال دئے جاتے ہیں اور وہ معصوم یہ سمجھتا ہے کہ یہی ساری کائنات ہے اور یہی اس کائنات کے مسائل۔ (ملک)

ہمارے قائدین مسائل کی حد تک کورے ہوں تو ہوں مگر سیاسی شعبدہ بازی میں تو طاق ہیں۔

حیدرآباد اسٹیٹ آریہ سماج کانفرنس کی دوسری سبقات کے صدر نے آریہ سماج کے نصب العین اور فرائض کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ :۔

" آریہ سماج کے کوئی سیاسی مقاصد نہیں ہیں"

آگے چل کر اسی مباحث میں صاحب صدر نے فرمایا کہ :۔

"کچھ مدت قبل جن دستوری اصلاحات کا اعلان کیا گیا ہے وہ نامکمل ہیں ہم ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں"

ان دونوں بیانات میں مطابقت کی تلاش فرمائیے۔

غذا کی رسد اور تقسیم کے سلسلہ میں مجلس نے ایک اسکیم مرتب کی ہے جو حکومت کے سامنے پیش کی جا چکی ہے جس کے متعلق تفصیلات میں جانا بہ حالات موجودہ مناسب نہیں۔ (قائد ملت)

اس اسکیم کو شائع کیوں نہیں کیا گیا؟ آخر اتنی راز داری کیوں برتی جا رہی ہے؟ یاد داشت میں کوئی ایسی بات لکھی گئی ہے تو یقیناً ملک کے دیگر طبقے بھی اس کی تائید کریں گے۔

مجلس بہت جلد ہی سرگرمیوں کو ملک کے طول و عرض میں وسیع کرے گی تاکہ یہ مسئلہ (مسئلہ اغذیہ) حل ہو جائے۔ (قائد ملت)

خدا کرے کہ ایسا ہو!

کیا ذی استطاعت طبقہ کا دماغ اس قدر لطیف اور ان کا مزاج اس قدر نازک ہوتا ہے کہ وہ استعمال گڑ کی تاب نہیں لا سکتے؟ اس بنا پر کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ شکر کی مساوی اور منصفانہ تقسیم ہوگی یا بازار پر کنٹرول حاصل کیا جائے۔ (ریاست)

شکر کے معاملہ میں شکایت فضول ہے مثل مشہور ہے خدا شکر خوروں کو شکر کھلاتا ہے اور اسی اصول پر شکر کی تقسیم عمل میں آ رہی ہے۔

حیدرآباد اسٹیٹ آریہ کانفرنس کی دوسری میقات کی صدارت کرتے ہوئے پنڈت گنپت شاستری نے اس ریاست کے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اسٹیٹ آریہ پرتی ندھی سبھا کے ایک لاکھ کے سرمایہ میں فیاضی سے چندے دیں۔

مگر کشن راؤ صاحب وکیل ہائیکورٹ صدر ہندو مہاسبھا نے شریمتی نظام آباد نے اپنے ایک مراسلہ میں جو مراٹھی پول سنٹیٹ کو رہبر دکن میں شائع ہوا تھا مقامی آریہ سماجی لیڈروں کے متعلق یوں اظہار خیال کیا تھا۔

(۱) آج کل آریہ سماج کے نام سے چند لوگ بیجا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(۲) کوئی شخص آریہ سماجی بنتا ہے تو وہ پہلے آپ کو ہندو دھرم کا بڑا محافظ سمجھنے لگتا ہے اور کسی کو کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

(۳) آریہ سماج کے خود غرض کارکنوں نے ہندو پبلک میں دل شکنی کے اسباب پیدا کئے۔

(۴) سماج کے خود غرض لیڈر یہاں سے بہت کچھ رقمی امداد کر دوسرے مقامات کے اغراض پر صرف کرتے ہیں ہچکچاتے نہیں۔

یاد ہوگا کہ کوئی دو سال پہلے پنجاب کے مشہور آریہ سماجی لیڈر مہاشہ کرشن نے وہاں کے ایک مشہور آریہ سماجی لیڈر لالہ خوش حال چند کے متعلق ایک اخبار میں لکھا تھا کہ "آریہ سماج کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ جو کچھ کل اس کے مخالف مسلمان کہتے تھے اس کی تائید آج لالہ خوش حال چند کر رہے ہیں اور اس لئے کر رہے ہیں کہ سارو دیشک سبھا نے پاویٹک سبھائے کیا وہ پردہ اُن میں حیدرآباد ستیہ گرہ کا بیس ہزار روپیہ نگلا ہے۔

یہ دونوں آریہ سماجی لیڈر حیدرآباد میں ڈکٹیٹری کرتے تھے لیکن بعد میں لوٹ کی تقسیم پر تو غریب ہندوؤں سے حیدرآباد کے نام پر وصول کی گئی تھی لڑ پڑے ہیں توقع ہے کہ ہمارے ملکی آریہ سماجی اپنے پنجابی رہنماؤں کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے۔

غذائی صورت حال بدتر ہو رہی ہے

حکومت کو آہنی پنجہ استعمال کرنا چاہیے

سردار غلام محمد خان صاحب، رکن جمعیت نے ملک کی غذائی صورت حال پر حسب ذیل بیان جاری کیا ہے:
"یقیناً پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت نے تدارک کے وہ ذرائع اختیار نہیں کئے جو اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے ضروری ہیں۔ سیلاب امنڈا چلا جا رہا ہے اور اس ہولناک طوفان کا شکار شاید پورا ملک ہی ہو جائے۔ جب پانی پورے طور پر سر سے اونچا ہو جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ موت ہے۔ اگر غریبوں کے ساتھ دوسرے بھی شامل ہونے کے لئے تیار ہوں تو پھر کسی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں لیکن موجودہ واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ امیر اور مالدار طبقے مفلس اور غریبوں کی نشانی تک مٹا دینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

محکمہ نگرانی قیمت اشیا ایک عرصہ سے اپنی سرگرمی کا اظہار کر رہا ہے لیکن اس کا نتیجہ سوائے اخباری بیانات کے اور کچھ نہیں۔ اگر اس محکمہ کا یہ خیال ہے کہ ایک نرخنامے کا اعلان کر دینا، چند سرکاری دوکانوں کا قائم کرنا اور روپیہ میں تین سیر چاول اور پانچ سیر جوار فراہم کر دینا غریب اور مصیبت زدہ رعایا کی صحت کا باعث ہو سکتا ہے تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ "بریں عقل و دانش بباید گریست" ہم کھلے لفظوں میں یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ اس محکمہ کا کام آج تک تشفی بخش نہیں رہا۔ احکام اور پابندیوں کی حد تک صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ ٹھوس اور عملی کام صفر سے زیادہ نہیں۔ محکمہ نہ کو خود بھی تو نرخ مقرر نہیں کرتا بلکہ بازار کے نرخ کا پابند ہوتا ہے اور اس کے مطابق اپنے ہفتہ واری نرخنامے میں تبدیلیاں کر لیتا ہے۔ ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آخر یہ اندھی تقلید کب تک؟ اگر اسی طرح اپنی حکمت عملی رہے گی تو پھر اس محکمہ کا کارنامہ معلوم!

جب سے گرانی کی وبا پھوٹ پڑی ہے ساہوکار نفع اندوزی کی خاطر لاکھوں روپیہ پھیلا کر من مانے نفع کما رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے زمانہ کے صرف قارون ہی بن جاتے تو قابل اعتراض نہ تھا مگر ظلم تو یہ ہے کہ وہ فرعون بے سامان بنے بیٹھے ہیں۔ اور ہر عام تاجر دیمک کی طرح غریب اور پریشان رعایا کے گوشت پوست کو چاٹ رہے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ فرعون ساہوکار طبقے کے مقابل اپنے آپ کو موسیٰ ثابت کر دے اور اپنی عزیز رعایا کے سکھ چین کو چاٹ جانے والی دیمک یعنی تاجر طبقے کی بھی خوب خبر لے۔ حکومت چاہے تو سب کچھ ممکن ہے۔

کیا ملک میں غلہ کی مقدار کافی ہے؟ اس کا [illegible] جی ایم خان نے کہا ہے کہ "یہ بیان میرا نہیں ہے خود حکومت کا ہے۔ راشن بندی کی ضرورت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے حکومت نے اپنے دو بیانات کے ذریعہ اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ملک میں اجناس کے کافی ذخائر موجود ہیں۔ اگر ملک میں کافی ذخائر موجود ہیں تو پھر اجناس کی قلت اور یہ خوفناک گرانی کیا معنی رکھتی ہے

ذخائر پر قبضہ کیا جائے

میری رائے میں حکومت کا اولین فرض ہے کہ ملک میں غلہ کے جتنے بھی ذخائر ہوں ان کو اپنے قبضہ میں لے لے تاکہ ساہوکار اور تاجروں نے جو جن کی طرح اپنا قبضہ جما رکھا ہے وہ برخاست ہو جائے اور ذخائر کے برآمد ہونے سے گرانی میں ایک حد تک کمی ہو۔ اس جناتی قبضہ کو دور کرنے کے لئے قانون کے جادو کی ڈنڈے کی ضرورت ہے اگر حکومت نے یہ حربہ استعمال کیا تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ لاکھوں من غلہ برآمد ہو جائے گا۔

ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ لاکھوں من غلہ خریدنے کے لئے حکومت کے پاس اتنی رقم کہاں؟ یہ صحیح ہے لیکن ہمارا مشورہ ہے کہ ایسے نازک دور اور پر آشوب زمانہ میں اگر حکومت نیک نیتی کے ساتھ جبری قانون نافذ کر کے تمام ذخائر اجناس کو زبردستی اپنے قبضہ میں لے لے اور مناسب نرخوں پہ غلہ فروخت کرنے کے بعد جو رقم وصول ہو مالکان غلہ کو دیدے تو یہ ایک واجبی اور جائز طریقہ ہے جس پر عمل کرنے سے حکومت کو دریغ نہ کرنا چاہیے۔

غلہ کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد حکومت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ اس کی مناسب تقسیم بھی کرے اور مناسب تقسیم کا بہترین طریقہ راشن بندی ہے۔

راشن بندی

میں شروع ہی سے اس اہم ترین مسئلہ پر زور دیتا رہا ہوں کہ اجناس خوردنی اور دوسری ناگزیر ضرورتوں کی راشن بندی ہونی چاہیے ورنہ آیندہ چل کر حکومت اور رعایا دونوں کو مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ راشن بندی آیندہ کی احتیاط کا بہترین آلہ کار ہے۔ اگر آگے چل کر کوئی برا وقت آجائے تو اس وقت کی احتیاط ہماری آنے والی مشکلات کا حل بن جائے گی دوسرے یہ کہ اس طریق عمل سے تاجروں کا کفر ٹوٹے گا ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے اس لئے ہم حکومت کو پھر سے مشورہ دیں گے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر مکرر غور کرے اور ٹراونکور، بنگلور اور بمبئی کی طرح یہاں راشن بندی کا مفید طریقہ رائج کرے۔

ذخائر کو ضبط کرنے یا راشن بندی کے بعد حکومت اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس وقت جو فصلیں تیار ہونے والی ہیں ان کو قانون کے ذریعہ اپنے قبضے اور نگرانی میں لے لے فصلوں کی تیاری کے بعد کٹائی وغیرہ حکومت ہی کی نگرانی میں ہو اور کاشتکار کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے۔ اگر کوئی کاشتکار چوری سے کسی ساہوکار یا تاجر کو غلہ فروخت کرے تو ہر دو فریق کو سخت ترین سزائیں دی جائیں اور فروخت شدہ مال حکومت کے حق میں ضبط کر لیا جائے۔ جب تک حکومت اس قسم کی سختی پر نہ اتر آئے گی اس وقت تک ساہوکاروں اور تاجروں کے مظالم سے نجات نہ مل سکے گی۔

لباس کا مسئلہ

یہ سچ ہے کہ ہر آدمی کو اپنا وجود باقی رکھنے کے لئے قوت لایموت کا ہونا ہی ضروری ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس تہذیب یافتہ دور میں صرف پیٹ بھر کر ہی آدمی زندگی بسر کر سکتا ہے؟ جب تک کہ تمدن اور معاشرت کے ایک جزو کی تکمیل یعنی تن ڈھانکنا بھی آدمیت کی شرطوں میں سے ایک لازمی شرط ہے۔ ورنہ آدمی بھی اس متمدن دور کا ایک جانور کہلائے گا اس لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت اغذیہ کے بعد لباس کے مسئلہ کو بھی حل کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ غیر ممالک سے کپڑا آنا بند ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے کپڑا بنانے والے جملہ کارخانے زیادہ تر جنگی ضرورتوں کی تکمیل میں منہمک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کی ضروریات کے لئے بہت کم کپڑا مل رہا ہے اور جو مل رہا ہے وہ اس قدر مہنگا کہ متوسط اور غریب طبقے مشکل سے خرید سکتے ہیں۔ حریص اور احساس تاجر خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں من مانی قیمتیں لے رہے ہیں۔ شریف طبقے اپنی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے ہر قیمت پر کپڑا خریدنے پر مجبور ہیں۔ اس کا اثر ان کے اور ان کی اولاد کے پیٹ پر پڑ رہا ہے۔ اس کے دور رس نتائج سے حکومت ناواقف نہیں پھر نہ معلوم حکومت اس خصوص میں کیوں خاموش ہے کیا ہم یاد کر سکتے ہیں کہ ننگے رہو کی مذموم تحریک کو یہاں بھی روبہ عمل لانے کی خود حکومت اجازت دے گی؟ ہمیں ننگے رہنا ناممکن ہے۔ پیٹ کاٹ کر جینے کا دور جا رہا اور ہم برہنہ رہنے کا زمانہ بھی بھرے بسے خواب سے زیادہ نہیں۔ حکومت کو میرا مشورہ ہے کہ کپڑے کی پوری دوکانوں کو اپنی نگرانی میں لے لے اور تاجروں کو پوری سختی کے ساتھ پابند کیا جائے کہ حکومت کی مقرر کی ہوئی قیمتوں پر صرف اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے جس کو راشن بندی کی چٹھی یا اجازت نامہ ملا ہے۔

کمرشیل کارپوریشن

"کمرشیل کارپوریشن کے قیام کا مقصد رعایا کو سہولتیں بہم پہنچانا ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ساہوکاروں کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہے۔ غلہ کے ٹھیکے طلب کئے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سب ساہوکار تاجر دکھنے ہو کر

بقیہ مسلسل صفحہ (۱۰)

کیا ہندی جے پور کی زبان ہے؟

از
مولوی عبدالحق صاحب

(بسلسلۂ گزشتہ)

یہ سب کچھ کس مقصد کے ماتحت اور کس طرح ہو رہا تھا، اس کی کہانی ایک فاضل وکیل پنڈت گردھاری لال صاحب کی زبان سے سنئے۔ اپنے مضمون مطبوعہ علی گڑھ گزٹ مورخہ ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء میں لکھتے ہیں:

"آج کل ریاست جے پور، پبلک کے دو فریق ہو رہے ہیں، ایک فرقہ جس میں دولت مند لوگ شامل ہیں، ہندی کا طرفدار ہے اور پبلک کو ہندی کی طرف توجہ دلا کر اس امر کی تحریک کرتا ہے کہ وہ اس امر پر زور دیں کہ زبان ہندی عدالت میں قرار دی جائے، تاکہ ہم لوگوں کو آسانی ہو۔

دوسرا فرقہ زبان عدالت میں کسی تبدیلی کا خواہشمند نہیں ہے، حالت موجودہ کو برقرار رکھنے کے کوشاں ہے۔ اس جدید تحریک سے اہل ہنود اور اسلام میں کچھ خلش پیدا ہو گئی ہے۔"

آگے چل کر پنڈت جی فرماتے ہیں:

ہندی جے پور کی زبان نہیں

"تاریخ اس امر کا پتہ نشان دیتی ہے کہ دیوناگری (ہندی) یا برج بھاشا راجپوتانے کی مادری زبان نہیں تھی۔ اگر ہو سکتی تھی تو مادری زبان جے پور مادری زبان (زبان) کی تعریف میں داخل نہیں، محض بول چال ہے۔ جے پور میں اہل ہنود کے بہت کم ایسے ہیں جن کی مستورات دیوناگری (ہندی) مادری زبان رکھتی ہوں۔ اگر کوئی رکھتی ہیں تو وہ یہاں کی متوطن نہیں ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ خواندہ ہوں یا ناخواندہ ان کی اصلی زبان جے پوری زبان سے رابطہ اتحاد و الحاق نہیں رکھتی۔"

اس کے بعد پنڈت جی نے تفصیل کے ساتھ ان دقتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا ہے جو دیوناگری حروف کے رواج سے پیدا ہو جائیں گی۔ آخر میں فرماتے ہیں:

"تمام آدمی کے لئے رعایا کو آگاہ کرنے کی تحریک اس طرح کی گئی ہے کہ حکومت کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ عام رعایا ہندی کی خواہشمند ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ سبھا (ہندی پرچارنی سبھا) کے قائم ہونے سے قبل عام رعایا کی خواہش کا اظہار نہیں ہوا۔ اب رعایا کے دستخط لے جا رہے ہیں، اور دوسری طرف رعایا کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ ہماری کوشش عام لوگوں کے نفع اور فائدہ پر مبنی ہے۔

میرے خیال میں ہندی کا سوال عدالت اور رعایا دونوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہندی پرچارنی سبھا کے بقائے نام اور شہرت دوام کا اچھا خاصا ذریعہ کامیابی و ناکامیابی ہر دو صورتوں میں موجود ہے لیکن یہ خیال کہ اس سے رعایا کی بہبودی ہے، نہایت مشتبہ ہے۔ برخلاف اس کے اُردو زبان میں اس وقت تک کاروبار جاری ہیں، اس کی وجہ سے کوئی ہرج اور رکاوٹ انصاف میں نہیں ہے لہٰذا عام رعایا کی خواہش نہیں کہ زبان تبدیل کر دی جائے یا حروف بدل دئیے جائیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اگر اُردو ہندی کا سوال ہندو اور مسلمانوں کے مابین کا ہو تو یہ نامناسب ہے کہ جے پور کی رعایا کے اتحاد و ارتباط میں خلل ڈال دیا جائے .... اُردو ہندوستان کی زبان ہے۔ دنیا کے اور کسی خطے میں رائج نہیں۔ اہل ہنود نے پہلو بہ پہلو، سینہ بہ سینہ اس میں کمال حاصل کیا ہے ......"

ایسے صاف دل بزرگوں کی کوششوں کے باوجود سنہ ۱۹۳۲ء و سنہ ۱۹۳۳ء میں فرقہ پرستی اور طوفان بدتمیزی جو برطانوی ہند میں اٹھا اس سے متاثر ہو کر جے پور کی رعایا کی عام مرضی کے برخلاف سنہ ۱۹۳۵ء میں اُردو اور ہندی کو عدالتوں میں ہم پلہ بنا دیا گیا۔

سنہ ۱۹۴۳ء تک دفاتر جے پور میں اُردو اور ہندی دونوں جاری رہیں۔ اُردو بہت زیادہ اور ہندی بہت کم۔ اس مدت میں بیرونی دنیا کا زور اُردو کو جلاوطن کرنے کے لئے برابر ڈالا جاتا رہا۔ کبھی پرہمن نے دان میں "ہندی حروف" مانگے اور کبھی کسی لیڈر کے اثرات استعمال کئے گئے لیکن حکومت جے پور نے کوئی صریح قدم اُردو کے خلاف نہیں اٹھایا اور دیوناگری کے اثر انداز ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو غیر متاثر رکھنے میں کامیاب رہی۔

اُردو زبان اپنے اندر ایسی خوبیاں اور ایسی گھلاوٹ رکھتی ہے کہ ہندی زبان و حروف کی صرف اجازت اس وقت تک اُردو کے لئے مضر نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُردو کے استعمال کو ممنوع نہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ جے پور میں یہی ہوا۔ اگرچہ اُردو اور ہندی دونوں کی یکساں اجازت تھی لیکن پچھلے بیس سال کے اندر اُردو ہی مقبول رہی۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں آنریبل سر مرزا اسمٰعیل صاحب سابق وزیر اعظم حکومت میسور کا تقرر جے پور میں وزارت عظمیٰ کے منصب پر ہوا۔ شاید اس موقع کو زرین انقلاب کے مناسب خیال کرتے ہوئے ایک بزرگ پنڈت رام چندر شرما نے اس نیت سے مرن برت رکھا کہ جب تک ریاست جے پور کی عدالتوں، دفتروں اور مدرسوں میں اُردو کی جگہ ہندی رائج نہ ہو جائے گی وہ برت نہ توڑیں گے اور جان دے دیں گے۔

پراونشل راجپوتانہ ہندو مہاسبھا اور جے پور مہاسبھا نے بڑی شدت سے اس کی حمایت کی اور بڑا زبردست شور مچایا۔ سر مرزا اسمٰعیل نے اس دھمکی میں آ کر ۲ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء کو ایک میمورنڈم شائع فرمایا جس کی معنوی خصوصیات کے علاوہ ظاہری خصوصیت یہ تھی کہ وہ جے پور دربار کی قدیم روایات کے خلاف انگریزی اور ناگری میں چھپا تھا مگر اُردو کا کہیں کوئی حرف نہ تھا۔ اس میمورنڈم کی ہندی عبارت اُردو حروف میں ادا کی جاتی ہے۔

میمورنڈم

تاریخ ۲ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء

"گورنمنٹ کے دفتروں اور عدالتوں میں استعمال ہونے والی لپی کے سمبندھ میں گورنمنٹ سے حال میں بہودھا نویدن کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ موجودہ ویاستھا میں شری مان مہاراجہ صاحب بہادر کی ادھیکانش پرجا کو کٹھنائی ہوتی ہے۔

شری مہاراجہ صاحب بہادر کی گورنمنٹ جنتا کی واجب شکایتوں کے بارے میں ہمدردی کے ساتھ وچار کرنے کے لئے ہمیشہ اُدیت ہے۔

ابھی بھی دیوناگری لپی کے استعمال پر کسی بھی پرکار کی رکاوٹ نہیں ہے اور در اصل اس ریاست میں راجیہ کے ادھیکانش دفتروں اور عدالتوں میں یہ لپی کام میں لائی جاتی ہے۔ شری مہاراجہ صاحب بہادر کی ادھیکانش پرجا دیوناگری لپی استعمال کرتی ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کی یہ منشا ہے کہ تمام دفتر اور عدالتیں دیوناگری لپی کا پریوگ کریں۔ جنتا کو کسی قسم کی اسویدھا نہ ہو اس لئے گورنمنٹ کی منشا نہیں ہے کہ دیوناگری لپی نہ جاننے والوں کے لئے اُردو لپی استعمال کرنے پر کسی قسم کی رکاوٹ ہے۔

بی جی جنیجا
چیف سکریٹری ٹو دی گورنمنٹ آف جے پور

اس میمورنڈم میں اگرچہ یہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ حکومت

کی بنا دیوناگری حروف سے ہوا کی ہے لیکن کوئی صراحت نہیں دی گئی ہے اُردو کو منسوخ قرار دیا جا سکے۔ اس سے ہندوستان ہندی اس سے پوری طرح خوش نہ ہو سکے، بلکہ صرف انھیں اس سے اتنا فائدہ حاصل ہوا کہ حوصلے بڑھ گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ شور و ہنگامہ اور ہیجان کی دھمکی وغیرہ وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے کوئی مقصد بھی موجودہ جے پور گورنمنٹ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے دوبارہ اُردو کو ملک کے نام سے اور کچھ بااثر سرمایہ داروں کی دوران پروپیگنڈہ دوائیوں کے ذریعے اور بالآخر جے پور گورنمنٹ کی کمزوری سے انھیں کامیابی ہوئی اور حکومت کی طرف سے ایک دوسرا فرمان ۲۰ فروری ۱۹۴۲ء کو چیف آفیسر کے دستخط سے شائع ہوا۔ اس میں انگریزی اس کے ہندی اور آخر میں اُردو میں اعلان ہے۔ اُردو اعلان حسب ذیل ہے

نوٹس: (مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۲ء)

"جے پور سرکار کے دھیان میں یہ بات لائی گئی ہے کہ دوسری طرف سے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں دیوناگری کے استعمال کے بارے میں جو حکم حال میں ایک میمورنڈم کے ذریعے نکالا گیا ہے اس میں آئے ہوئے لفظ "منشا" سے مطلب صاف نہیں ہوتا کہ سرکار کا کیا فیصلہ ہے۔ چیف افسر کو یہ اختیار دیا گیا کہ یہ ظاہر کرے کہ اس تحریر کا صاف مطلب یہی ہے کہ سرکار کی دلی مرضی یا فیصلہ ہے۔" میمورنڈم کے آخری جملے میں آئے ہوئے لفظوں "دیوناگری بھی ٹھیک طرح سے نہ جاننے والوں کے لئے" سے سرکار کا مطلب یہ ہے کہ جلدی سے جلدی سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں دیوناگری کا عام استعمال ہونا چاہئے۔"

۲۰ فروری ۱۹۴۲ء چیف آفیسر

گورنمنٹ جے پور کے مندرجہ بالا احکام اور تصریحات کو دیکھ کر ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ محض ابن الوقت حکومت ہے جو "کبھی ادھر تو کبھی اُدھر" اور مبہم الفاظ کے ذریعے اُردو والوں کو تسلی دینا اور ناگری والوں کو مطمئن کرنا چاہتی ہے اور اُدھر اُردو کے لیے خواہ یہ کہیں کہ اُردو کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے اور اِدھر فرقہ پرست ناگری پرچارک اپنا کام کرتے ہیں۔ اور صراحت کے ساتھ یہ مطلب بیان کیا جاتا ہے کہ اُردو حروف کی ممانعت ہوگی۔

حکومت جے پور کی ان کارروائیوں سے جے پور اور بیرونِ جے پور اُردو دنیا میں پریشانی پیدا ہوئی اور آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) نے حسب ذیل خط کے ساتھ اپنے ایک نمائندے کو جے پور بھیجا۔

ایک روسی شہر پر
۵۰۰ جرمن طیاروں کا حملہ

ماسکو۔ ۳ر جولائی۔ روسی اخبار لکھتے ہیں کہ ہوائی جنگ روز بروز سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی ہے۔ ماسکو کے ایک اخبار نے اپنے پڑھنے والوں کو آگاہ کیا ہے کہ ممکن ہے خاص ماسکو پر بھی حملے ہوں۔

"اب ماسکو اور روس کے خلاف دفاعی جنگ نے والی ہے اور آج حقیقی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔"

لینن گراڈ کے محاذ پر روسیوں نے دشمن کے ۵۰ طیارے اور گرا دئے ہیں۔

ماسکو ریڈیو کی خبر ہے کہ کل سہ پہر کو جرمنوں نے وسطی محاذ پر کسی مقام پر دھاوا کرنے کے لئے پانچ سو طیاروں کا ایک جتھا بھیجا۔ ابتدائی اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ۲۲ طیارے گرا دئے گئے۔ روسیوں کے ۳۰ طیارے ضائع ہوئے۔

منگل کی رات کو سرخ ہوائیہ نے اسٹیٹنگ اور روس کے مغرب کے ایک شہر پر دھاوا کیا۔ بڑے بڑے دھماکے ہوئے اور کئی جگہ آگ لگا دی گئی۔ ایک کے سوا تمام طیارے صحیح سلامت اپنے مرکز کو واپس آ گئے۔

روسی ہوائیہ نے خلیج فن لینڈ میں دشمن کے بار بردار طیارے اور ایک خود سے چلنے والے بیڑے کو غرق کر دیا ہے۔

روسی ہوائیہ کا خوفناک دھاوا

ماسکو۔ ۳ر جولائی۔ رائٹر کے نامہ نگار نے ایک خاص پیغام میں بتایا ہے کہ مئی کے مہینے میں جرمنوں نے روس کے محاذ پر ایک کاری ضرب لگانے کا منصوبہ بنایا تھا مگر روسیوں کے خوفناک ہوائی حملوں کی بدولت اس منصوبہ پر عمل نہیں کر سکے۔

اس مہم کے لئے جرمنوں نے جو پٹرول وغیرہ کیا تھا روسیوں نے ابتدائی دو ہفتوں میں اس کی تقریباً نصف مقدار کو نذر آتش کر دیا۔

اپریل کے شروع سے جرمن کلیدی مقامات پر ہوائی طیاروں اور فوجوں کو ایک بہت بڑے پیمانے پر جمع کر رہے ہیں لیکن روسیوں کے ہوائی دھاوے کے وقت اور اس کی شدت نے ان کے استعمال کی نوبت نہیں آنے دی ہے۔ ہوا میں برتری حاصل کرنے کے لئے ایک زبردست مقابلہ جاری ہے۔

گلبرگہ میں قحط زدوں کی امداد

گلبرگہ ۵ر تیر۔ امساکِ باراں کی وجہ سے سال حال ضلع گلبرگہ شریف میں چار تعلقات متاثر قرار دئے گئے لیکن حکومت سرکار عالی نے صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے جو گراں قدر رقومات بطور امداد منظور فرمائیں۔ انسداد بدحالی کے ضمن میں جو فوری اور بروقت انتظامات عمل میں لائے گئے ان کا ایک خاکہ درج ذیل ہے۔

مقامات متاثرہ میں فصل خریف میں (۱۰۸۹۲۲) روپیہ تین آنہ اور ربیع میں (۳۸۰۸۳۲) روپیہ کی بازمالگزاری جو ۲۰۵۴ مواضعات پر مشتمل ہے دی گئی۔ تقاوی چارہ کے لئے (۱۰۰۰۰) روپیہ۔ باؤلیات کی گہرائی کے لئے (۱۰۰۰۰) روپیہ۔ ڈونگری کے (۳۰۰۰۰) روپیہ خرید تخم و مویشی زراعت کے لئے (۶۰۰۰۰) روپیہ انتظام آبپاشی کے لئے (۱۰۰۰۰) روپیہ منظور کئے گئے علاوہ ازیں امداد معذورین و محتاجین کے ضمن میں (۳۰۰۰) روپیہ خرید تخم کے لئے (۵۰۰۰) روپیہ جدید چشمی بیت ... (۲۶۸۸) روپیہ اور اسکیل پٹیل و پٹواریان کے لئے (۳۱۵۱) روپیہ کی منظوری دی گئی۔ سڑکوں کی تعمیر اور تالابوں کی درستی کے لئے (۲۰۵۱۲۰) روپیہ کی خطیر رقم منظور کی گئی ان میں سے بعض کام شروع ہو چکے ہیں اور باقی کام زیر ابتدائی ہیں۔

بدحالی کے سلسلے میں جو سب سرشتہ کھولے گئے جو کام آغاز کئے گئے ہیں ان کے لئے سررشتہ نے (۱۵۰۰) روپیہ کی منظوری دی ہے۔

ضلع گلبرگہ شریف میں گرانی رخ اجناس کا کام موسمی حالات کی ناسازگی اور جنگ کی وجہ سے تجارتی اور اقتصادی حالات پر اثر پڑنے کے باوجود اعلیٰ حضرت ضلع کے حسن انتظام سے نہایت بہتر طریقہ پر انجام پا رہا ہے۔ اور اجناس خوردنی اگرچہ گران ہیں لیکن عام [illegible] کی کوئی شکایت نہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی اسکیم

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

اس بنیاد پر بحث کرتے رہے ہیں کہ ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کو جو مسلم اکثریتی صوبوں میں آباد ہیں ہندوستان میں شریک ہونے کی آزادی حاصل رہنی چاہئے۔ ان کی کوشش ناکام رہی۔ اس کی وجہ کچھ تو مہا سبھا کے دائیں بازو کی مخالفت تھی اور کچھ یہ کہ مسٹر جناح نے اس کو قبول نہیں کیا تھا۔ بہر حال یہ سنا جارہا تھا کہ خانگی گفتگوؤں میں ایک منزل پر مسٹر جناح اس بات کے مخالف نہیں تھے کہ ہندو اور سکھ ہندوستان میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ماضی قریب کے تجربہ کی بناء پر اور اس خیال کے تحت کہ اسی قسم کے سمجھوتے سے پاکستان حاصل ہو سکتا ہے مسٹر جناح اس بات پر راضی ہو جائیں کہ صوبجات کے سرحدوں کی تقسیم اسی اصول پر کی جائے جو ڈاکٹر امبیڈکر نے پیش کی ہے۔ اور پاکستان کے ہندو تعداد کو اس خیال سے تسلی ہو کہ ان کے ہم مذہب پاکستان میں رہنے پر مجبور نہیں کئے جائیں گے۔

اس طرح ڈاکٹر امبیڈکر کی اسکیم میں وہ تمام محاسن اور معائب موجود ہیں جو ایک مصالحتی تجویز میں ہو سکتے ہیں۔ اس میں قطعی طور پر ملک کی تقسیم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا انحصار ایسے استصواب عامہ پر رکھا گیا ہے جو وہ آئندہ کسی تاریخ میں کیا جائے گا اور اس کے ساتھ دس سالہ تجربہ کی شرط بھی ہے۔

یہ سچ ہے کہ یہ صرف پاکستان کا ایک کاغذی وعدہ ہے یا یہ کہو کہ پاکستان کو وجود میں لانے کا ایک طریقہ ہے یا سہولتیں پیدا کرنے کا ایک اقدام۔ لیکن مسٹر جناح بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔

قومی نقطۂ نظر سے اس اسکیم میں ایک نقص یہ ہے کہ اس میں دوران جنگ کے لئے قومی حکومت کا تذکرہ نہیں۔ لیکن اکثر صاحب فکر حضرات ڈاکٹر امبیڈکر سے اتفاق کریں گے کہ چاہے دستوری تعطل کا آخری حل ہو یا قومی حکومت کا فوری مسئلہ ہر دو کے لئے پاکستان ابتدائی تنقیح ہے۔ شک و بے اعتمادی کو دور کر کے اور عام فضا میں اعتماد پیدا کر کے ایسا حل دریافت کیا جا سکتا ہے جو دوران جنگ کے لئے قومی حکومت کے قیام کا راستہ صاف کر دے۔ اس اسکیم میں کانگریس یا کانگریسی لیڈروں کی رہائی کا کہیں ذکر نہیں۔ کوئی اسکیم جس میں کانگریس فریق نہ ہو کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن اس معاملہ کا تعلق وائسرائے اور مسٹر گاندھی سے ہے۔

غذائی صورت حال ابتر ہو رہی ہے

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۲))

تھوڑے سے بہت فرق سے نفاذ و عمل کرتے ہیں۔ کارپوریشن اسی شرح پر اتنا ہی سے مال خریدنے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری نرخوں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے اس لئے حکومت کو چاہئے کہ کاشتکاروں سے راست غلہ حاصل کر کے کارپوریشن کے حوالے کرے تاکہ راست بندی کے اصول پر منصفانہ و مساویانہ تقسیم عمل میں آسکے۔ کارپوریشن کا موجودہ طریقہ کار ہر حیثیت سے قابل اعتراض ہے۔

کیا وجہ ہے کہ پیپلی میں گیہوں آٹھ سیر اورنگ آباد میں دس سیر بیڑ اور بیجا پور میں سات سیر اور اسی طرح مختلف اور دیسی ریاستوں میں وہاں کی پیداوار نسبتاً سستی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گیہوں ہمارے ملک کی پیداوار نہیں اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ چاول اس ملک کی پیداوار ہونے کے باوجود ہمارا ملک اس غلہ کی حد تک بھی خود کفیل نہیں اس لئے ہمارا یہ مطالبہ ناواجبی ہوگا کہ اور ریاستوں کی طرح ان ہر دو اجناس کا نرخ آٹھ دس سیر مقرر کیا جائے۔ لیکن میں حکومت سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جوار کس ملک کی پیداوار ہے؟ حکومت کا دعویٰ ہے کہ جوار کی فصل بہتر سے بہتر رہی یعنی فصل میں پچیس یا پچاس فیصد اضافہ ہوا لیکن اس کے بعد بھی ملک میں روپیہ کو چار یا پانچ سیر جوار کا بکنا کیا ہمارے لئے افسوسناک نہیں ہے؟ یہی وہ واحد جنس ہے جس پر ہمارے ملک کی ایک کروڑ سے زائد آبادی کی بہت و بود کا دارومدار ہے۔ کیا حکومت چاہے تو جوار کے تمام ذخائر کو اپنے قبضہ میں لے کر روپیہ کو بارہ سیر جوار نہیں بیچ سکتی؟

جس طرح غدر اور دوسرے طرح کی بد امنی کے زمانہ میں حکومت مارشل لا نافذ کر سکتی ہے اور غنڈوں

انگریزوں کو شاد بنانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صوبجات کی اس کشمکش کے دور میں حکومت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ تمہارے قوانین نافذ کر کے ان پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو تاکہ خاصیوں کو قانون کے شکنجہ میں جائیں کو عوام کی سہولت و آسایش کا سبب ہے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد آنجہانی

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۳))

بعد برخاست جب مہاراجہ بہادر خاصہ پر تشریف لے جاتے تھے تو میں نے عرض کیا کہ اگر سرکار کے حکم کی تعمیل میں رقعہ جات جمع کرنے جائیں تو یہ کام تو بہت جلد سر انجام پا سکتا ہے لیکن جو اہم چیز ہے وہ بھی گوش گزار کر دینا ضروری ہے کہ رقعہ جات کی تقسیم تو آسان ہے لیکن جس قدر زیادہ احباب مدعو کئے جائیں گے اسی قدر انتظامات میں دشواری نیز خرچ میں اضافہ ہوگا۔ یہ سنکر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے خلوص کا اظہار کر کے دعوت پہونچنے کی شکایت کرے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ بغیر شادی ان کو نفی میں جواب دے۔ اگر مہمانوں کی زیادتی سے اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ صد ہا خیر خواہاں کا اضافہ بھی تو ہو جاتا ہے اور ان سے سلسلۂ محبت کا ایک اور موقعہ ہاتھ آتا ہے۔

۱۰۔ سر اکبر حیدر نواز جنگ مرحوم صدارت عظمیٰ کا جائزہ حاصل فرمانے کے بعد مہاراجہ بہادر سے ملاقات و دعوت کو ان کے کامیاب دور صدارت کی مبارکباد دینے جب ایوان تشریف لائے تو میں نے ایک غیر معمولی بات دیکھی کہ مہاراجہ بہادر نے اپنے جانشین کا آگے بڑھکر پرتپاک خیر مقدم کیا جس کو صدر اعظم نے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ اس نئی بات سے آپ نے مجھے متاثر فرمایا لیکن مہاراجہ بہادر نے اس کا جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مہاراجہ نے فرمایا کہ اگرچہ آپ میری ماتحتی میں صدر محاسب و معتمد فینانس وغیرہ کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں اور گذشتہ دس سال سے زیادہ کونسل میں ہم

وہ بحیثیت فینانس ممبر رفیق کار بھی رہے ہیں لیکن میں اپنے ناتا مہاراجہ چندو لعل بہادر آنجہانی کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ جس کو عزت دے اس کی عزت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔

جاگیرداروں سے اپیل

محترم جاگیردار بھائی

تسلیم۔ آپ کے طبقے کے ایک فرد کی حیثیت سے میں آپ کی توجہ ایک امر خاص کی طرف منعطف کرانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ پر چند حقیقتیں واضح ہو جائیں۔

مجلس جاگیرداران کے گزشتہ انتخابات کے موقعہ پر جو دی سنہ ۱۳۵۲ ف میں واقع ہوئے دو جماعتیں مجلس انتظامی کی حیثیت کے کوشاں تھیں۔

اس انتخاب میں جن حضرات کو ناکامی ہوئی انھوں نے طبقہ میں پھوٹ ڈالنے کی ناکام کوشش شروع فرما دی ہے اور اپنی شکست خوردہ ذہنیت کو مظاہرہ یوں فرمانا چاہا کہ ایک نئی انجمن ایک نئے نام سے موسوم جاگیردار سوسائیٹی قائم فرمائی ہے جس میں تقریباً وہی اراکین ہیں جو پہلی مرتبہ انتخابات میں شکست کھائے ہیں ان کی وضاحت کے لئے ذیل میں دو فہرستیں درج کی جاتی ہیں جو زبان حال سے ان واقعات کی تصدیق کریں گی۔

فہرست ان بزرگواروں کے اسماء کی جنہیں باوجود کوشش بلیغ انتخابات مجلس جاگیرداران کے وقت مجلس انتظامی میں کوئی جگہ نہ مل سکی اور طبقہ نے جنہیں انتخاب نہیں فرمایا۔

۱۔ نواب سید جلال الدین حسین خان جاگیردار (کھیانی)
۲۔ نواب میر حسین علی خان
۳۔ نواب سید صفدر حسین خان
۴۔ انکے پلی راجہ جانکی رامراؤ
۵۔ نواب محمد رضا علی خان (گھنٹالہ)
۶۔ نواب مصطفے یار خان
۷۔ نواب محمد عظیم الدین خان
۸۔ نواب حسین یار خان برادر نواب مصطفے یار خان
۹۔ نواب نیاض الدین خان خلف نواب نجم الدین خان

فہرست خود اسماء خود منتخب شدہ اراکین مجلس انتظامی جاگیردار سوسائٹی بموجب موقر اخبار رہبر دکن مورخہ ۲۹ خورداد سنہ ۱۳۵۲ ف

۱۔ صدر۔ نواب سید جلال الدین حسین خان جاگیردار (کھیانی)
۲۔ نواب میر حسین الدین علی خان
۳۔ نواب سید صفدر حسین خان
۴۔ انکے پلی راجہ جانکی رامراؤ
۵۔ نواب محمد رضا علی خان (گھنٹالہ)
۶۔ نواب مصطفے یار خان
۷۔ نواب محمد عظیم الدین خان
۸۔ نواب حسین یار خان برادر نواب مصطفے یار خان
۹۔ نائب صدر۔ نواب نیاض الدین خان خلف نواب نجم الدین خان
۱۰۔ نواب نجم الدین خان والد نواب نیاض الدین خان

یہ چند حقائق ہے جو ظاہر کر دئے گئے تھے اس کے بعد میں اپنے طبقہ کے معزز جاگیرداروں کو اس مجلس سازی کے بعض امور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

مجلس جاگیرداران تقریباً ۲۰ سال سے قائم ہے یعنی تقریباً نصف صدی قبل اور طبقہ کے حالات کے نظر کرتے ایک بڑے ذی عزت اور ذی علم و کمالی بزرگ عالیجناب سید نواب رکن الملک قائد وران مرحوم و مغفور جیسے امیر نے اس مجلس کی بنا کی۔ اور جناب نواب نثار حسین خان مرحوم (خلف عالیجناب نواب رشید الملک مرحوم و مغفور) جیسے صاحب کمال نے اس کو کامیابی سے چلانے کو بیڑا اٹھایا۔ طبقہ کی حفاظت کے اہم مسئلہ کے لئے یہ مجلس قائم ہوئی اور عالیجناب نواب سرور قار الامراء مرحوم و مغفور کی اس کو حمایت اور سرپرستی حاصل رہی اور اس وقت سے اس وقت تک ہمارے طبقہ کے بہترین دماغوں نے اس کی خدمت کی اور اس کے ذریعہ اپنے طبقہ اپنے ملک اور اپنے آقائے ولی نعمت خلد اللہ ملکہٗ کی خدمت گذاری کے فرائض انجام دئے۔

ان بزرگواروں میں سے چند کے نام آپ کی یاد تازہ کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں۔ نواب فرخندہ یار جنگ مرحوم۔ نواب شرف الدین خان مرحوم۔ نواب محمد نیاض الدین خان نبیرہ نواب حافظ یار جنگ مرحوم۔ نواب بہادر یار جنگ، راجہ ترنبک لعل بہادر اور راجہ گروداس بہادر وغیرھم نے جس فرض شناسی سے معتمدی کے فرائض انجام دئے اور طبقہ کے حقوق کی حفاظت کی وہ طبقہ سے پوشیدہ نہیں۔ یہی نہیں بلکہ عالیجناب نواب معین الدولہ بہادر مرحوم و مغفور امیر پائیگاہ عالیجناب نواب لطف الدولہ مرحوم و مغفور امیر پائیگاہ۔ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ امیر اعظم عالیجناب نواب کمال یار جنگ بہادر دام اقبالہٗ امیر اعظم۔ عالیجناب راجہ راجایان راجہ دھرم کرن بہادر دام اقبالہٗ امیر اعظم۔ عالیجناب راجہ آنریبل راجہ دھرم کرن بہادر دام اقبالہٗ امیر اعظم اس کے اراکین بھی رہے ہیں اور ان میں بعض امراء نے طویل زمانوں تک اس کی صدارت بھی فرمائی ہے اور اب اس وقت عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر دام اقبالہٗ امیر پائیگاہ اس کے صدر ہیں اور عالیجناب نواب کمال یار جنگ بہادر دام اقبالہٗ امیر اعظم اس کے نائب صدر ہیں۔

اس مجلس نے وقتاً فوقتاً طبقہ کے لئے بڑے کام کئے اور بڑے اہم مسائل میں طبقہ کی نمائندگی کی۔ اور اس کو آپ کو بھی شرف حاصل رہا کہ اپنے آقائے ولی نعمت خلد اللہ ملکہٗ کی سلور جوبلی جوبلی کے موقعہ پر ایڈریس پیش کرے اور اس حکیم السیاست حضرت جہاں پناہ مدظلہ العالی و تعالیٰ کے زبان فیض ترجمان سے اس سپاسنامہ کا جواب سنے اس مجلس کے مقابل کسی انجمن یا سوسائیٹی کا قائم کرنا اور ایک شکست خوردہ ذہنیت کا اس طرح مظاہرہ کرنا طبقہ میں پھوٹ ڈالنے کی ایک سعی نامشکور ہوگی۔

میں کسی جماعت کا عملی کام کرنے والا رکن نہیں اور نہ کسی انتخاب میں حصہ لیا ہوں مگر بہتر کام کرنے والوں کے ارادہ اور صلاحیتوں سے اپنے طبقہ کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور ان نواب صاحبین سے ہم دردانہ ہے جو اس نئی سوسائٹی کے بانی ہیں اور یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو چار اصولی اساس طبقہ کے تجویز فرمائے ہیں ان کے متعلق مجلس جاگیرداران نے اپنے طبقہ کو متوجہ کرے اور طبقہ کی نمائندگی کرے اور جاگیرداروں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے فرائض بہترین اسلوب پر انجام دے اور وہ بجا ہے اس کی تحقیق کے لئے میں آپ کو مجلس جاگیرداران کے رپورٹ ہائے سالانہ کے ملاحظہ فرمانے کی زحمت دوں گا۔ اور آپ جو اس نئی انجمن کی بناء فرما رہے ہیں کہ اگر آپ کے پاس کوئی مفید تجویزات ہیں تو اسی مجلس جاگیرداران میں پیش کر کے اسی کے رکن رہ کر اسی کے ذریعہ ان مسائل کو کامیاب کرنے کی کوشش کریں کیونکہ مرکزیت میں بقا و کامرانی مضمر رہتا ہے۔ اور طبقہ میں پھوٹ ڈالنے کی سعی نہ فرمائیں کیونکہ یہ پھوٹ طبقہ کو مٹا کے رہے گی اور اپنے معزز طبقہ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس سوسائیٹی نے تقریباً ۲۰ سال سے ان کی نمائندگی اور ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور اپنے کام سے ایک مقام اپنے لئے پیدا کر لیا ہے۔ اس کی حفاظت کیجئے یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی نئی انجمن کو ترتیب دے کر اس کو قائم کرنے میں اپنا روپیہ اور دماغ ضائع فرمایا جائے۔ بفضلہ اس وقت کی مجلس انتظامی کے اراکین الحاج نواب محمد وحید اد خان صاحب سندوزی (شریک معتمد) راجہ کشن داس (معاون معتمد)، نواب دوست محمد خان۔ نواب بہادر یار جنگ نواب میر اکبر علی خان بیرسٹر ایٹ لا۔ نواب محمد نیاض الدین خان نبیرہ نواب حافظ یار جنگ مرحوم۔ راجہ گروداس۔ راجہ محبوب کرن۔ نواب محمد شجاع الدین خان۔ صاحبزادہ نواب میر حشمت علی خان۔ نواب فخر نواز جنگ۔ راجہ نرسنگ راؤ۔ نواب سید محمد عسکری جعفری (معتمد مجلس) نواب حسن یار جنگ نواب محمد وحید الدین خان۔ راجہ راجیشور راؤ والی سمستھان ونپرتی۔ نواب احمد یار خان۔ نواب میر حسین علی خان۔ نواب میر احسن خان ہیں۔ ان اصحاب سے بہتر علم و تجربہ کے افراد اس وقت کسی دوسرے ادارہ کو میسر نہیں آسکتے۔ اس وقت تک طبقہ اور رعایا کے لئے انھوں نے جس وسیع النظری سے کام کیا ہے اس کا مواد مجلس کے دفتر میں یقیناً موجود ہوگا اور یقیناً بآسانی ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔ ایسی انجمن کو چند شکست کھائی ہوئی ذہنیتوں کی خاطر نقصان نہ پہنچائیے۔ یہ یاد رکھئے کہ مجلس جاگیرداران آپ کے بہترین خاندانوں کو قائم کردہ ادارہ ہے جو آپ تک بطور ورثہ آیا ہے اس کی حفاظت کیجئے۔

محمد معین الدین خان جاگیردار

[illegible]